© rasailojaraid.com

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں، تعلیم کا زمانہ آغازِ شباب کا بھی ہوتا ہے اور بے پروائی کا بھی، زندگی کے اس دور میں بھی کلاسوں میں، لائبریری میں، کینٹین میں، کھیل کے میدانوں میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے ہنستے بولتے باہوں میں باہیں ڈال کر چلتے پھرتے اور کبھی کبھی بوس وکنار کرتے نظر آتے ہیں، ایک مشرقی نژاد کو چونکا دینے کے لئے ان میں سے ہر ایک بات کافی ہے۔ لیکن وہاں کوئی نوٹس نہیں لیتا اور آنکھ اٹھاکر بھی کوئی نہیں دیکھتا۔ نوعمر اور جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے اس خلا ملا کو دیکھ کر طرح طرح کے قیاسات کیے جاسکتے ہیں۔ اور لوگ کرتے بھی ہیں۔ لیکن میرا جیسا ایک شخص جو وہاں ٹیچر ہو کر گیا ہو اور نہایت شریف بلکہ مذہبی قسم کے لوگوں میں رہتا ہو اور انھیں سے اُس کا واسطہ ہو اور اُس کو یونیورسٹی میں طلباء اور طالبات کی زندگی کو زیادہ قریب سے اور بے تکلفی کے ساتھ دیکھنے کا موقع نہ ملا ہو، وہ جو کچھ اُس نے دیکھا ہے، اُس سے زیادہ کیا کہہ یا بتا سکتا ہے۔ لیکن کہنے والے کیا کچھ نہیں کہتے؟ اُس کا اندازہ اِس سے ہوگا کہ ہمارے زمانہ کے مشہور جرنلسٹ لوئس فشر نے (جو ایک درجن سے زیادہ کتابوں کا مصنّف ہے) انڈونیشیا پر بھی ایک بڑی پُر از معلومات اور معرکۃ الآرا کتاب لکھی ہے اور اس کے لئے مواد فراہم کرنے کی غرض سے کم وبیش ایک برس وہ انڈونیشیا میں گھومتا پھرتا رہا اور وقتاً فوقتاً خود صدر سوکارنو کا مہمان رہا ہے ــــــ اس کتاب میں مصنّف نے متعدد مواقع پر لکھا ہے کہ انڈونیشیا کی آبادی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے، اور اُس کے اقتصادی حالات اچھے نہیں ہیں، اس لئے مجھے جب کبھی موقع ملتا تھا صدر سوکارنو سے کہتا تھا کہ ملک میں ضبطِ حمل کو رائج کریں، لیکن صدر سوکارنو ہر مرتبہ اس چیز کی بڑی شد ومد سے مخالفت کرتے تھے۔ مصنّف لکھتا ہے۔ آخر ایک مرتبہ موقع پاکر میں نے اس چیز کا پھر ذکر کیا تو سوکارنو نے نہایت غضبناک ہوکر کہا "میں برتھ کنٹرول کا ہرگز حامی نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اس سے ملک میں جنسی انارکی اور بداخلاقی پیدا ہوتی ہے ــ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ میں امریکہ میں تھا اور ایک یونیورسٹی دیکھنے گیا تو لڑکیاں میری طرف دوڑ پڑیں اور میرے چاروں طرف جمع ہوگئیں۔ مجھے عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے کی عادت ہے ہی ــ میں نے اُس جھرمٹ میں سے چار پانچ لڑکیوں کو

© rasailojaraid.com